اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۔ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا

احمد غلام قادیانی

نمبر رجسٹرڈ ایل ۸۳۵

تار کا پتہ الفضل قادیان

THE ALFAZL QADIAN

الفضل قادیان

اخبار ہفتہ میں تین بار

فی پرچہ تین پیسے

ایڈیٹر غلام نبی

جماعت احمدیہ مسلمہ کا آرگن جسے (سنہ ۱۹۱۳ء میں) حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح ثانی نے اپنی ادارت میں جاری فرمایا

نمبر (۶۲) مورخہ ۶ دسمبر ۱۹۲۴ء یوم شنبہ مطابق ۸ جمادی الاول سنہ ۱۳۴۳ھ

مدینۃ المسیح

خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی صحت اچھی ہے ۔ ۲ دسمبر بعد نماز عصر لجنہ اماء اللہ نے حضرت خلیفۃ المسیح ۔ حضور کے رفقاء سفر اور چند دیگر اصحاب کو حضرت میاں بشیر احمد صاحب کے مردانہ مکان کے صحن میں نہایت مکلف ٹی پارٹی دی ۔ سامان خورد و نوش نہایت افراط سے اور نہایت اعلیٰ درجہ کا تھا ۔ حضور نے خاص طور پر تعریف فرمائی ۔ ممبرات لجنہ مکان کے اندر پردہ میں تھیں تلاوت قرآن کریم اور نظم کے بعد ایڈریس پڑھا گیا ۔ یہ سب کام مستورات نے خود کئے ۔ ایڈریس کے بعد حضور نے تقریر فرمائی جس میں مستورات کو نہایت قیمتی نصائح کیں ۔ مفصل آئندہ (۳) امید ہے یہ خبر خوشی سے سنی جائیگی کہ مرزا ارشد بیگ صاحب جو مرزا احمد بیگ صاحب ہوشیار پوری کے داماد ہیں ۔ اور قادیان میں سکونت رکھتے ہیں ۔ حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کے ہاتھ پر بیعت کر کے سلسلہ میں داخل ہو گئے ہیں ۔ (۴) ۲ نومبر کو بابا غلام فرید صاحب ایم اے ولایت کو روانہ ہو گئے ۔ چونکہ حضرت خلیفۃ المسیح کی طبیعت ناساز تھی ، اسلئے حضور نے حضرت مفتی محمد صادق کو فرمایا کہ آپ دعا کر کے روانہ کر آئیں ۔ چنانچہ حضرت مفتی صاحب مع بہت سے احباب کے قصبہ کے باہر تک آئے اور دعا کر کے رخصت کیا ۔

حضرت خلیفۃ المسیح کی تشریف آوری پر

انگلستان اور ہندوستان کے اخباروں کو تار

حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی تشریف آوری پر حسب ذیل تار ولایت اور ہندوستان کے اخبارات کو بھیجا گیا ۔

حضرت خلیفۃ المسیح ثانی مع ساتھیوں کے ۱۸ نومبر کو بمبئی جہاز سے اترے ۔ قریباً دو سو نمائندگان جماعت احمدیہ نے جو کہ ہندوستان کے مختلف حصص برما اور سیلون سے جمع ہوئے تھے ۔ آپکا نہایت گرم جوشی کے ساتھ استقبال کیا ۔ پریس کے نمائندوں نے فوٹو لئے ۔ ڈاکٹر محمد صادق صاحب نے تمام جماعت احمدیہ ہند کی طرف سے حضور کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا ۔ حضرت خلیفۃ المسیح نے اس کا جواب دیتے ہوئے اہل برطانیہ اور انگریزی پریس کا شکریہ ادا کیا جس نے لنڈن میں نہایت خوبی کے ساتھ آپ کا خیر مقدم کیا ۔

بمبئی کے تمام بااثر اخبارات کے نمائندوں نے حضور سے سفر یورپ کے

حالات دریافت کرنے کے لئے ملاقات اور گفتگو کی حضور نے جناب گاندھی جی کے ساتھ حالات حاضرہ پر گفتگو فرمائی ۔ اور اس بات پر زور دیا کہ کانگریس [illegible] ہیں لازمی ہے کہ اسمیں تمام قسم کی آراء کے لوگوں کو شامل نہ کیا جائے ۔ اعتدال پسند اور انتہا پسند ۔ حامیان تعاون اور عدم تعاون سب کو یکساں طور پر آواز اٹھانے کا حق ہونا چاہیئے ۔ اور جس پارٹی کو زبردست ہونے کا موقعہ ملے وہ سب کو اپنی پالیسی پر اس وقت تک چلائے ۔ جب تک کہ اسکے اختیار میں ہو ۔ اب کانگریس اپنے آپ کو قومی جماعت کہتی ہے لیکن وہ ایک خاص پارٹی کے لوگوں کی نمائندگی کرتی ہے ۔ اسواسطے اس میں اصل طاقت نہیں ہے ۔ اسپر جناب گاندھی جی نے اپنی رضامندی ظاہر کی ۔ اور حضرت خلیفۃ المسیح کو کانگریس میں شامل ہونے کے لئے بہت اصرار کیا ۔ حضور نے جواب دیا ۔ کہ چونکہ میں کلی طور پر کو آپریٹر ہوں اور کانسٹیٹیوشنل اور ارتقائی ترقی کا حامی ہوں ۔ اسلئے موجودہ حالات کی موجودگی میں میں شامل نہیں ہو سکتا ۔ مگر میں اسوقت بخوشی کانگریس میں شامل ہو جاؤں گا ۔ جب اپنے ضمیر اور مذہب کے خلاف کئے بغیر ایسا کر سکوں ۔

حضور اور حضور کے ہمراہیوں کا آگرہ - دہلی - لدھیانہ - جالندھر اور [illegible] سٹیشنوں پر [illegible] خیر مقدم کیا۔ آپ سپیشل ٹرین کے ذریعہ سے ۲۳ تاریخ کو امرتسر پہنچے۔ جہاں ہزار سے بھی زیادہ احمدی نمائندگان موجود تھے۔ اور آپکی خدمت میں خوش آمدید کا ایڈریس پیش کیا گیا۔

حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کے حالاتِ سفر

بمبئی سے بٹالہ تک

حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے بمبئی سے لیکر بٹالہ تک کے حالات اور واقعات سفر جو جناب شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی نے لکھ کر الحکم میں شائع کئے ہیں۔ احباب کی آگاہی کے لئے درج ذیل کئے جاتے ہیں۔

۱۸ر نومبر ۱۹۲۴ء کی صبح کو حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ العزیز مظفر و منصور یورپ کے سفر سے بمبئی کے ساحل پر ایس ایس پلسنا سے اُترے۔ ساحل سمندر پر احمدی جماعت کے نمائندوں نے پُرجوش اخلاص استقبال کیا۔ اس تقریب پر پشاور - مالابار - رنگون - کراچی - پنجاب - بنگال - بہار - سندھ اور یوپی کے نمائندے موجود تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح نے جب ساحل سمندر کو دیکھا۔ آپ کی توجہ دعا کی طرف پھیری گئی تھی اور آپ خاموشی کے ساتھ دعا میں مصروف تھے۔ گو آپ کی محبت بھری نگاہیں نہایت اشتیاق کے ساتھ ساحل کی طرف بار بار اُٹھتی تھیں اور اپنے خدام کی تلاش کرتی تھیں۔ خدام کی حالت کا نقشہ کھینچا نہیں جا سکتا۔ مگر انکی پُر اشتیاق بیقراری بار بار سمندر کے پانیوں پر اپنے سید و مولیٰ آقا کے جہاز کو دیکھنا چاہتی تھی۔ اور جہاز کے پہنچنے کی خبر میں ان کے قلوب میں تسلی اور تسکین کی بجائے شوق اور محبت کے جذبات کو اُبھار دیتی تھی۔ اور تھوڑی سی دیر بھی انکو مضطرب کر دیتی تھی۔ آخر پلسنا جہاز پر سے ہم نے ساحل کو دیکھا۔ اور ساحل والوں نے جہاز کو آتے دیکھ لیا۔ اسوقت کی کیفیات کا نقشہ کوئی نہیں کھینچ سکتا۔ حضرت جہاز کے اس کنارے کی طرف آئے۔ جہاں جماعت کے افراد نظر آتے تھے۔ پہلے ایک مجمع نظر آیا۔ اور حضرت نے دُوربین سے احباب کو شناخت کرنا شروع کیا۔ جوں جوں جہاز قریب ہوتا جاتا آپ نام لیکر پکارتے تھے۔ وہ مفتی صاحب وہ نیک محمد وہ فلاں اور وہ فلاں۔ حضرت خلیفۃ المسیح کی آواز میں محبت کے انتہائی جذبات پائے جاتے تھے مگر ایسے رنگ میں ان کا ظہور ہوتا تھا۔ کہ محبت کے متلاطم سمندر پر گویا حکمران ہیں۔ وقار اور استقلال کے خلاف کوئی بات پائی نہ جاتی تھی۔ چوہدری علی محمد صاحب ایک سبز جھنڈا لیکر تختۂ جہاز سے ہلا رہے تھے جس نے جماعت کو اپنے آقا کی تشریف آوری کا یقین دلا دیا تھا ہم ان مشتاق نگاہوں کو دیکھنے لگے۔ اور دور سے السلام علیکم اور اہلاً سہلاً مرحبا کی آوازیں ساحل کی فضا میں گونجیں اور جہاز کے تمام مسافروں کی توجہ کو اس منظر نے اپنی طرف کھینچ لیا جہاز کے مسافروں کے لئے سب سے بڑی دلچسپی کا موجب یہی تھی۔ جہاز لنگر انداز ہوا۔ اور چند احباب کو جہاز پر آنے کی اجازت ملی۔ اور انہوں نے نہایت اخلاص و محبت اور ارادت کے پھول اپنے محبوب متاع کے قدموں میں پیش کئے۔ ایک اخبار کے رپورٹر نے اسی وقت آپ سے انٹرویو کیا۔ آخر ہم لوگ جہاز سے اُترے اور احباب جماعت سے ملے۔ حضرت مفتی صاحب نے جماعت کی طرف سے خیر مقدم کا ایڈریس پیش کیا۔ ڈیلی میل کے فوٹوگرافر نے فوٹو لیا۔ اور وہاں سے لیاقت منزل میں پہنچے۔ جناب نواب سید محمد رضوی صاحب کے مہمان ہوئے۔ جنھوں نے نہایت فراخ دلی سے انتظام کیا ہوا تھا اور آپ مہمانوں کے آرام کے لئے ہر طرح مصروف تھے۔ ٹائمز آف انڈیا کے قائمقام نے آپ سے انٹرویو کیا اور ڈیلی میل کے مصور نے فوٹو لیا۔ مسٹر زیمان مشہور پارسی مصنف نے بھی آپ سے انٹرویو کیا۔

۲۰ر نومبر ۱۹۲۴ء کو جناب گاندھی جی سے علی برادرز اور مولانا آزاد کی موجودگی میں ملاقات ہوئی۔ جس میں ہندوستان کے امن و آزادی اور ہندو مسلم اتحاد پر گفتگو ہوئی۔ مولانا آزاد سے بھی بعض اُمور پر تبادلہ خیالات ہوتا رہا۔ اسی تاریخ کو روانہ ہو کر ۲۱ر نومبر کو بی بی اینڈ سی آئی ریلوے کے ذریعہ آگرہ پہنچے۔ آگرہ آتے ہوئے سٹیشن پر سے آپ نے اکرتن کو دیکھا۔ جو احمدی جماعت کا ملکانہ تبلیغ کے ایام میں جولانگاہ رہا ہے۔ آگرہ سٹیشن پر آپکا مخلصانہ استقبال کیا گیا۔ اور جناب مرزا عرفان علی بیگ صاحب نے آپکے گلے میں پھولوں کے ہار پہنائے۔

۲۲ر نومبر ۱۹۲۴ء کو آپ ملکانہ تبلیغ کے ایک بہت بڑے مرکز ساندھن کو دیکھنے کے لئے تشریف لے گئے۔ ساندھن کی جماعت نے آپ کو مدعو کرنے کی دعوت بھیجی تھی۔ ساندھن ملکانہ تبلیغ اور فتنہ ارتداد میں ایک تاریخی شہرت حاصل کر چکا ہے۔ یہاں کے راجپوتوں نے آریوں کے اثر کو باوجود مختلف قسم کے لالچ پیش کرنے کے قبول نہ کیا اور انکی درخواستوں کو ٹھکرا دیا۔ آریوں نے بڑے بڑے حملے کرنے چاہے اور کئے۔ مگر وہ بے نیل مرام واپس ہوتے رہے۔ کل انتظام یہاں ملکانوں نے آپ کیا تھا۔ بڑے بڑے شاندار دروازے بنائے گئے تھے جنمیں سے ایک پر "غلام احمد کی جے" کا فقرہ لکھا ہوا تھا۔ نہایت افسوس سے ظاہر کیا جاتا ہے۔ کہ کسی بدبخت ظالم طبع دشمن نے اس مخلص کے گھر کو آگ لگا دی۔ جہاں تمام انتظام کیا گیا تھا۔ جس سے بہت بڑا نقصان ہوا۔ مگر آفرین اسکی ہمت اور حوصلہ پر کہ باوجود اس نقصان کے اس کے چہرہ پر ذرا بھی گھبراہٹ اور اضطراب نہ تھا۔ حضرت کے قیام اور جلسہ کا انتظام اسی عمدگی سے ہوا۔ انکی طرف سے ایڈریس پیش ہوا۔ حضرت نے جواب دیا۔ اور پھر بہت سے لوگوں نے بیعت کی۔ اور وہاں سے روانہ ہو کر اچھنیرہ سٹیشن سے سوار ہوئے باقی خدام برکھم کے سٹیشن سے سوار ہوئے۔ متھرا آ کر ہم نے گاڑی تبدیل کی۔ اور اسی رات کو دہلی پہنچے۔ دہلی کے سٹیشن پر بہت بڑا مجمع تھا۔ یہاں تک کہ رستہ چلنا مشکل ہو گیا۔ رات ملتا ہی تھا اس جگہ بہت سی جماعتیں آئی ہوئی تھیں۔ دہلی اور شملہ کی جماعت نے مکان پر ایڈریس پیش کیا۔ حضرت نے جواب دیا۔ اور ۲۳ر کی صبح دہلی سے روانہ ہو کر انبالہ پہنچے۔ اور وہاں سے سپیشل ٹرین کے ذریعہ بٹالہ کو روانہ ہوئے۔

تمام درمیانی سٹیشنوں پر جہاں گاڑی کھڑی ہوئی۔ مختلف مقامات کی جماعتوں نے آکر شرف نیاز حاصل کیا۔ انبالہ کے اسٹیشن پر جماعت انبالہ کی طرف سے دوپہر کا کھانا پیش ہوا۔ راجپورہ کے سٹیشن پر ریاست پٹیالہ سرہند اور نابھہ۔ بسی وغیرہ کی جماعتیں موجود تھیں انہوں نے چار کا انتظام کر رکھا تھا۔ چاوا اور دوراہہ کے سٹیشنوں پر غوث گڈھ کی جماعت موجود تھی۔ چاوا پر گاڑی سٹیشن سے آگے نکل آئی تھی۔ مگر سٹیشن پر جماعت معلوم ہوئی۔ اس لئے گاڑی کھڑی کی گئی۔ اور حضرت نے نہ صرف گاڑی سے اُتر کر بلکہ کچھ دور پیدل چلکر اپنے خدام سے ملاقات کی۔ لودھیانہ کے سٹیشن پر قابل دید منظر تھا۔ اور میرے خیال میں بہترین انتظام تھا۔ تمام جماعتیں جو ضلع لدھیانہ اور فیروزپور اور مالیر کوٹلہ سے آئی ہوئی تھیں۔ ایک خاص ترتیب سے صف بستہ کھڑی تھیں۔ محبت و اخلاص کے جذبات تمام قیود کو توڑ کر آگے بڑھنے پر مجبور کرتے تھے۔ مگر ترتیب اور اطاعت کے احکام اپنے جذبات پر قابو رکھنے کی ہدایت کر رہے تھے۔ نہایت صبر و سکون سے وہ اپنی جگہ پر کھڑے رہے۔ فواکہ اور چار کا انتظام وسیع پیمانہ پر تھا۔ حضرت نے گاڑی سے اُتر کر نہایت اطمینان اور مسرت کے ساتھ سب بھائیوں سے مصافحہ کیا۔ اور پھر مستورات کی طرف جا کر ان کے سلام کا جواب دیا۔ مکرمی شیخ محمد شفیع صاحب سکرٹری جماعت لودھیانہ نے نہایت خوبی سے ایڈریس پڑھا۔ حضرت نے جواب دیا۔ لودھیانہ کا نظارہ قابل دید تھا۔ ایک گاڑی اسوقت اور کھڑی تھی۔ اس کے تمام مسافر دروازوں میں کھڑے ہو کر اور باہر نکل کر اس منظر کا لطف اٹھا رہے تھے۔ لودھیانہ کے بعد گاڑی جالندھر چھاؤنی پر ٹھیری۔ جہاں ضلع جالندھر اور ہوشیارپور اور کپورتھلہ کی جماعت کے نمائندے کثیر تعداد میں موجود تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مخلص قدیم اور محب صمیم حضرت منشی حبیب الرحمٰن صاحب رئیس حاجی پورہ نے اپنا ایڈریس پڑھا۔ پھر شہر جالندھر بیاس وغیرہ مختصر سا قیام کرتی ہوئی سپیشل ٹرین امرتسر پہنچی۔ جہاں پلیٹ فارم پر تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ جماعت لاہور کا رفیع علم مبارکباد و خیر مقدم لہرا رہا تھا۔ اور حضرت قریشی صاحب قائمقام امیر جماعت احمدیہ لاہور نے اپنی جماعت کی طرف سے ایڈریس پڑھا۔ حضرت نے اسے تمام جماعتوں کی طرف سے سمجھ کر اس کا جواب دیا۔

جماعت امرتسر کی طرف سے کھانا پیش کیا گیا۔ مستری اللہ بخش صاحب نے اپنی نظم مبارکباد خود سنائی۔ ۸ بجے گاڑی بٹالہ پہنچی۔ جہاں بٹالہ اور

[illegible]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الفضل

یوم شنبہ قادیان دارالامان - ۶ دسمبر ۱۹۲۴ء

حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے حضور تہنیت نامہ

ممبران احمدیہ انٹر کالیجیٹ ایسوسی ایشن لاہور کی طرف سے

نوجوانان جماعت سے حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کا خطاب

۲۵ نومبر کی صبح کو بورڈنگ تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان کے ڈائننگ ہال میں ممبران احمدیہ انٹر کالیجیٹ نے حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ حضور کے رفقاء سفر اور دیگر بہت سے اصحاب کو ٹی پارٹی دی۔

چائے اور مختلف اقسام کی مٹھائی سے تواضع کرنے کے بعد برادر عطاء اللہ صاحب بی اے متعلم لاء کالج نے تلاوت قرآن کریم کی۔ اور پھر چوہدری بشیر احمد صاحب بی اے متعلم لاء کالج نے حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کے حضور تہنیت نامہ پڑھا یہ تہنیت نامہ اعلیٰ کاغذ پر نہایت عمدگی سے چھپا ہوا تھا جو حاضرین میں بھی تقسیم کیا گیا۔ اسکے بعد حضرت خلیفۃ المسیح ثانی نے تقریر فرمائی۔ ذیل میں تہنیت نامہ اور حضور کی تقریر درج کی جاتی ہے۔ ایڈیٹر

ہمارے سید و مولیٰ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آج آسمان کے فرشتے خوش ہیں۔ کہ خدا کے ایک محبوب ہزاروں دلوں کے اندھیرے دور کر کے ہزاروں تشنہ لبوں کو کوثر اُلفت سے سرشار فرما کر ایک جہان کو خدائے قدوس کی ملاقات کا مژدہ جانفزا سنا کر ایک عالم کو راہ ضلالت سے پھیر کر اور جادۂ ہدایت کی طرف رہنمائی فرما کر بعد فتح و ظفر۔ بصد تائید و نصرت واپس تشریف لائے ہیں۔

آج خود خدائے اعلیٰ و برتر خوش ہے کہ اس کا پیغام دنیا کے کونے کونے میں پہنچ گیا۔ اور کوئی اس کا طالب جو دل میں بھی جستجو اور حقیقی تڑپ رکھتا تھا۔ یاس و نومیدی کے مرض میں مبتلا نہیں رہا۔ اور آج ہم اپنے بخت بیدار پر خوش ہیں۔ کہ ہمیں پھر کسی کے دیدار کی لذت جان بخش نصیب ہوئی۔ اب ہماری راتیں جلوہ بخواب کی منت کش نہیں رہیں۔ اب ہمارے دلوں کی برگشتگی اور پریشانی جاتی رہی۔ کوئی پھر ہم میں موجود ہے اور ہم ہیں۔ اور اس کا دلربا چہرہ اور اس کا روح پرور کلام۔

ہمارے پیارے آقا! حضور کا جانا مبارک کہ اس سے ہمیں نوید کامرانی ملی۔ اور حضور کا آنا مبارک کہ غم دیدگانِ فراق کے انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں ۔

وداع و وصل جداگانہ لذتے دارد
ہزار بار برو صد ہزار بار بیا

حضور عالی! اس سفر نے تو اندھوں کو بھی دکھا دیا۔ کہ حضور اس دنیا میں خدا کا ارادہ ہیں۔ لیکن حسّاد و بداندیش ہیں کہ آسمان پر خاک ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کیونکر ہو۔ کہ محمود ہو اور محسود نہ ہو۔ مگر "چشمہ آفتاب را چہ گناہ" حضور کی دمشق میں بے نظیر کامیابی اللہ تعالیٰ کا ایک عظیم الشان نشان ہے۔ لوگوں کے جم غفیر کا ہر وقت جمع رہنا۔ حضور کا ایک دلآویز اور یقین پرور زبان میں ہر سائل کے سوالات کا جواب دینا اور اس مصروفیت میں دن رات ایک کر دینا۔ وہاں کے لوگوں کو حضور کے عزم۔ علم۔ اطمینانِ قلب اور روحانی جذب پر حیران کرتا تھا۔ ہمارے جانے والے مبشرین سے (خدانخواستہ) مخالفت خواہ کتنی ہی بڑھ جائے۔ لیکن یہ اثرات ان کے دل سے کبھی نہیں مٹینگے۔ اور آخر انہیں ماننا پڑیگا کہ یہ سعادت خداداد تھی۔ اس میں انسانی دخل نہ تھا۔

ہم انگلستان کے شکرگزار ہیں۔ کہ اس نے ہمارے احساسات کا بمنزلہ بار اثر قبول کیا۔ اور حضور کی تکریم کا حق ادا کیا۔ پریس نے مضمون لکھے۔ فوٹو شائع کئے۔ اور اتنی دلچسپی کا اظہار کیا کہ اسکی مثال نہیں ملتی۔

وہاں کے ہندوستانی طلباء کے ایڈریس پیش کرنے سے ہمیں بہت ہی خوشی ہوئی۔ ہم اُمید کرتے ہیں کہ بفضلہ تعالیٰ یہ ایک نہایت ہی نتیجہ خیز بات ثابت ہوگی۔ کیونکہ ہندوستان کے اعلیٰ درجہ کے تعلیم یافتہ طبقہ کی ایک نسل پر سلسلے کی عزت اور عظمت کا اثر ہو گیا ہے۔ اور اب وہ جہاں جائینگے۔ اپنے دوستوں اپنے والدین اور اپنی اولاد سے اس ملاقات کا فخر سے ذکر کرینگے۔ اور اس طرح سلسلے کی تبلیغ میں معاون ہونگے۔

ملک کے ہر طبقہ کا حضور سے لیکچر کی درخواست کرنا بھی ہمارے لئے موجب ناز ہے۔ وہ ان حقانی علوم۔ اس عالی نگاہی۔ اس وسیع حوصلگی سے کب واقف تھے۔ ہر طبقے نے اپنے رنگ میں فیض حاصل کیا۔ اور جوہر شناسی کی داد دی۔ کانفرنس کے لیکچر کی کامیابی پر ہم جتنا بھی فخر کریں تھوڑا ہے۔ واقعہ میں یہ حیران کر دینے والی بات ہے کہ یورپ کے لوگ اتنی دیر بیٹھے کس طرح رہے۔ صداقت اور صادق کی کشش بھی عجیب چیز ہے گویا ایک افسوں تھا۔ جو ان پر پھونک دیا گیا۔ انہیں اپنی کوئی عادت یاد نہ رہی۔

یہ وہ کامیابیاں ہیں جو سفر کی اصل غرض نہ تھیں۔ ہم ابھی سمجھ نہیں سکتے۔ کہ حضور نے اللہ تعالیٰ کی کس تائید و نصرت سے وہ سکیم طیار فرمائی ہوگی۔ جس پر حضور تبلیغ یورپ کا کام چلانا چاہتے ہیں۔ حضور نے جو قومی آداب معاشرت کی پابندی کی تاکید فرمائی ہے۔ یہ ہمارے لئے اغیار کے اثرات سے محفوظ رہنے کا عجیب نسخہ ثابت ہوگا۔

ہمارے آقا! ہم کامیابی کی خبریں سنکر تو خوش ہوتے تھے لیکن حضور کی متواتر ناسازیٔ طبع کی خبر نہایت درجہ پریشان کن ہوتی تھی۔ اے فضل عمر! اے رب العالمین کے محبوب! اے احمد مختار کے حسن و احسان میں نظیر! ہم تندرست رہ کر کیا کرینگے۔ کیا اچھا ہو کہ ہماری ساری مقدور راحت حضور کو مل جائے۔ ہم سب کی صحت حضور کے حصے میں آجائے۔ اور ہم پھر کبھی نہ سنیں کہ نصیب اعدا حضور کو کوئی جسمانی تکلیف ہوئی ہے۔ یا اور کوئی رنج پہنچا ہے۔ اے قوم کے محبوب! ہم خوب جانتے ہیں۔ کہ حضور کی بیماری کا اصل سبب درحقیقت وہ غم ہے۔ جو حضور کو اپنے غلاموں کی فلاح و بہبودی کے لئے رہتا ہے۔ حضور کا سا قلب شفیق رکھنے والا انسان حضرت مولوی نعمت اللہ خان صاحب شہید کی شہادت کی خبر جانگزا سنکر کیا تندرست رہیگا۔ یہی احساس کی فراوانی ہم میں اور حضور میں مابہ الامتیاز ہے۔

ہمارے آقا! (ہمارے ماں باپ آپ پر فدا ہوں) مہبط وحی عزیز علیہ ماعنتم حریص علیکم کے دل کا سچا آئینہ سوائے حضور کے دل کے اسوقت اور کونسا ہے۔ جماعت کی تکلیفات کا جو غم حضور کو ہوتا ہے۔ اُسے ہم کیا سمجھ سکتے ہیں۔ اے یتیموں کے والی! شیخ فضل کریم صاحب کی وفات حسرت آیات نے کسی اور کو اس غم کا کیا حصہ دیا ہوگا۔ جو حضور کو ہوا۔ اے محبت پرور آقا! حضرت میر ناصر نواب صاحب اور حضرت میر محمد سعید صاحب جیسے حضرت جری اللہ کی تربیت کے اعلیٰ نمونوں کے چلے جانے کا غم جماعت کو بھی تو ہے لیکن حضور کے غم سے اُسے کیا نسبت ہے۔ حضور ہی فرمائیں۔ ہم اس درد میں کیا شریک ہو سکتے ہیں۔ اور کس طرح حضور کے اس غم کو غلط کر سکتے ہیں۔ سوائے اسکے کہ ہم دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس طرح حضور کے مقاصد کو جو دراصل اسی کے مقاصد ہیں۔ پورا کرے کہ ہم اپنی آنکھوں سے اس کے تمام وعدے پورے ہوتے دیکھ لیں۔ اسی میں حضور کی خوشی ہے۔ اے ہمارے مولا! تو ایسا ہی کر۔ ہاں ہمیں یہ راحت ہے کہ اللہ تعالیٰ حضور سے کبھی دبی حضرت

جری اللہ کا سلوک ہی جاری رکھتا ہے۔ ع نخوں کا ایک تن اور جاں دوشادی ہم حضور کے ہاں دو صاحبزادوں کے تولد ہونے پر پُر محبت مبارکباد عرض کرتے ہیں۔ اور شکر اللہ تعالیٰ کا شکر کرتے ہوئے حضور کو کامیاب ایسی کی مبارکباد دیتے ہیں۔

حضور کے رفقاء کی قابل قدر قربانیوں نے ساری جماعت کو ان کا احسانمند کر دیا ہے۔ ہم ان کے اس بے غرض ایثار پر بھی ہدیہ مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ اور آخر میں درخواست کرتے ہیں کہ جس فضا میں ہم بستے ہیں۔ اس کا حضور کو علم ہے۔ ہماری دینی۔ اخلاقی اور روحانی تربیت کے لئے جن سامانوں کی ضرورت ہے۔ انکی طرف حضور خصوصیت سے توجہ فرمائیں۔ جماعت کو تو کارکن ملینگے ہی۔ لیکن ہماری یہ بدنصیبی ہوگی اگر محض تربیت کی خامیوں کی وجہ سے ہم کسی کام نہ آ سکیں۔ ہم حضور کی دعاؤں کے خصوصیت سے محتاج ہیں۔ اللہ تعالےٰ ہمیں ہر شر سے محفوظ رکھے۔ اور ہر نیکی کی توفیق دے۔ آمین۔ والسلام

آناں کہ خاک را بہ نظر کیمیا کنند + آیا بود کہ گوشہ چشمے بما کنند

ہم ہیں حضور کے ادنیٰ ترین غلام

ممبران احمدیہ انٹر کالیجیٹ ایسوسی ایشن - لاہور

حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کی تقریر

تہنیت نامہ کے پڑھے جانے کے بعد حضور نے حسب ذیل تقریر فرمائی۔

جو ایڈریس اسوقت کالیجیٹ طلباء کی طرف سے پیش کیا گیا ہے۔ میں اسکے متعلق اپنی طرف سے اور ہمراہیان سفر کی طرف سے جزاکم اللہ احسن الجزاء کہتے ہوئے یہ بتانا چاہتا ہوں۔ کہ ان کے کام اور ان کی زندگی سے اور جس رنگ میں وہ اپنے اخلاق کی اپنے دین کی اور اپنی رُوحانیت کی تربیت کا موقع رکھتے ہیں۔ اس سے میں ایسی دلچسپی رکھتا ہوں۔ کہ اور کم چیزوں سے مجھے ایسی دلچسپی ہے اور اسکی وجہ یہ ہے۔ جیسا کہ بارہا میں انہیں بتا بھی چکا ہوں کہ میں اس بات کا قائل ہوں کہ

رُوحانیت اور تربیت

دونوں علیحدہ علیحدہ میدان ہیں۔ میرے نزدیک دُنیا نے اسوقت تک ایک خطرناک غلطی کی ہے۔ اور جب میں دنیا کا ذکر کرتا ہوں۔ تو اس سے میری مراد انبیاء۔ صلحاء اور اولیاء نہیں ہیں۔ بلکہ عوام الناس ہیں۔ انہوں نے اس نقطہ کو نہیں سمجھا۔ کہ اخلاق اور روحانیت علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں۔ اور تربیت علیحدہ۔ اس وجہ سے لوگ تربیت کے نقائص کو روحانیت کی غلطیاں قرار دے لیتے ہیں۔ اور تربیت کی خوبیوں کو روحانیت کا کمال سمجھ لیتے ہیں۔ جس کے بڑے نقص ہیں۔ بلکہ تین ہیں۔ جن میں سے دو تو لوگوں کے اپنے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ اور ایک قوم سے تعلق رکھتا ہے۔ اپنی ذات سے تعلق رکھنے والے نقص یہ ہیں۔ کہ بہت لوگ جو اعلیٰ تربیت

پاکر اعلیٰ اخلاق حاصل کر لیتے ہیں۔ اس سے وہ اس وہم میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ کہ ہمیں اعلیٰ روحانیت بھی حاصل ہو گئی ہے اور اس وجہ سے وہ

رُوحانیت سے غفلت

کرنے لگ جاتے ہیں۔ جیسا کہ یورپ کے لوگ ہیں۔ ہمارے ملک کے لوگوں کے اگر اخلاق کو دیکھا جائے تو معیار اخلاق کے لحاظ سے ان کے اخلاق اعلیٰ ہیں۔ مگر تربیت کے لحاظ سے یورپین لوگ اعلیٰ ہیں۔ اور وہ اخلاق کا استعمال اس خوبی سے کرتے ہیں کہ دل پر قبضہ کر لیتے ہیں۔ مثلاً ایک موٹی بات ہے۔ کہ خواہ کتنا ہی ہجوم ہو۔ ایک دوسرے کو دھکا نہیں دیگا۔ اور آپس میں کچھ نہ کچھ فاصلہ رکھیگا۔ ایسی حالت میں بھی اگر کسی کا جسم کسی کے ساتھ چھو جائے۔ تو انہیں ایسی عادت پڑی ہوتی ہے کہ خواہ اسی کو ٹھوکر لگے Beg your Pardon کہے گا۔ میں نے دیکھا ہے۔ کہ بعض دفعہ ہجوم میں مجھ سے ہی ٹھوکر لگتی۔ جس میں تو شرم سے آہستہ Beg your Pardon کہتا۔ لیکن جسے ٹھوکر لگتی۔ وہ مجھ سے پہلے ہی کہہ دیتا۔ یہ

تربیت کا نتیجہ

ہے۔ اسی طرح اور کئی باتیں ہیں۔ مثلاً کوئی مسافر جا رہا ہو اور اسے رستہ معلوم نہ ہو۔ تو ہمارے ملک میں غرباء تو اسے رستہ بتا دینگے۔ اور اگر کوئی امیر آدمی رستہ پوچھنے والا ہوگا تو اسے اپنی عزت افزائی سمجھیں گے۔ لیکن اگر کسی امیر سے کوئی رستہ پوچھے۔ تو وہ ایسی شکل بنائیگا کہ اس کا فوٹو لیکر عجائب خانہ میں بھیجنے کے قابل ہوگا۔ اسکی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنی ہتک سمجھتا ہے۔ مگر وہاں یہ حالت ہے کہ خواہ

کسی سے رستہ پوچھو

فوراً بتا دیگا۔ ہمیں اس بات کا کئی دفعہ تجربہ ہوا ہے۔ اور دو موقعے تو ایسے خاص ہیں کہ جو کبھی نہیں بھول سکتے۔ جب ہم احمدیہ مسجد کو پہلے دن جا رہے تھے۔ تو موٹر چلانے والا اس رستے سے ناواقف تھا۔ چلتے چلتے اس نے دیکھا کہ ایک شخص موٹر میں بیٹھا ہے۔ اور دوسرا موٹر سائیکل والا اس سے باتیں کر رہا ہے۔ ہمارے موٹر ڈرائیور نے اس سے پوچھا کہ ۶۳ میلروز روڈ کدھر ہے۔ اس نے پتہ بتایا۔ مگر ہمارا موٹر ڈرائیور پھر بھی نہ سمجھا اور کہنے لگا کہ پھر بتاؤ اس نے پھر بتایا۔ لیکن جب اس نے دیکھا اب بھی وہ سمجھا نہیں تو اپنے ساتھی سے کہنے لگا۔ ذرا ٹھہرو۔ میں رستہ بتا آؤں۔ چنانچہ وہ آیا اور رستہ بتا کر واپس گیا۔

ایک دفعہ ہم کتابیں خریدنے کے لئے ایک دکان پر گئے وہ دکان ایک گلی کے اندر تھی۔ پولیس مین سے ہم نے اس کا پتہ پوچھا۔ اور اس نے بتایا۔ مگر ہم سمجھ نہ سکے۔ اتنے میں دیکھا کہ ایک لیڈی اسی دکان کا پتہ ادھر اُدھر سے پوچھتی پھرتی ہے۔ ہم نے سمجھا یہ بھی اسی دکان پر جانے والی ہوگی۔ وہ جب ہمیں اس دکان کے قریب لے آئی۔ تو کہنے لگی۔ اب تو آپ کو رستہ مل جائیگا۔ تب معلوم ہوا کہ وہ ہمارے لئے اس دکان کا پتہ لگا رہی تھی۔ جب ہم آگے گئے۔ تو چونکہ دھوئیں سے اس دوکان کا نام مٹا ہوا تھا۔ اس لئے ہم اسے پہچان نہ سکے۔ یہ دیکھ کر پھر وہ دوڑتی ہوئی آئی۔ اور دکان بتا کر واپس چلی گئی۔

اس قسم کے اخلاق ان لوگوں میں پائے جاتے ہیں لیکن اسکے یہ معنی نہیں۔ کہ ان لوگوں کی رُوحانیت اعلیٰ درجہ کی ہے۔ بلکہ یہ ہیں کہ انکی

تربیت اعلیٰ درجہ کی

ہے۔ جس کے رُوحانیت سے خالی ہونے کا یہ ثبوت ہے۔ کہ حقیقی نقصان کے وقت جاتی رہتی ہے۔ ایک دفعہ ایک شخص سے مجھے اخلاق پر گفتگو کرنے کا موقعہ ملا کہنے لگا۔ دیکھو ہمارے کیسے اعلیٰ اخلاق ہیں۔ میں نے اسے کہا۔ تم لوگوں میں جو اخلاق پائے جاتے ہیں۔ یہ تربیت کے اخلاق ہیں۔ مذہب کے اخلاق نہیں ہیں۔ میں نے کہا یہ تمہاری تربیت کا نتیجہ ہے کہ مجمع میں ترتیب کو قائم رکھتے ہو۔ لیکن کیا اگر تھیٹر میں سیٹیں خالی ہوں تو لوگ ایک دوسرے کو نہیں کچلتے۔ وہاں تربیت کا کوئی خیال نہیں رہتا۔ لیکن ایک ایسا شخص جو مذہب کے لحاظ سے اعلیٰ اخلاق کا پابند ہوگا۔ وہ ہر جگہ صبر اور استقلال سے کام لیگا۔

تو ایمان وہاں بھی کام دیتا ہے۔ جہاں ٹیوسی ہو۔ مگر خالی تربیت ایسے موقع پر رہ جاتی ہے۔ لیکن اگر

رُوحانیت کے ساتھ تربیت

بھی ہو تو پھر ہر موقعہ اور ہر محل پر اخلاق دکھائے جا سکتے ہیں۔ ہمارے ملک میں بہت سے نقائص تربیت کی کمی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ بعض ایسے اخلاق جو روحانی ہیں۔ ان میں ہمارے ملک کے لوگ بڑھے ہوئے ہیں اور جو روحانی نہیں ہیں۔ ہاں ان میں وہ لوگ بڑھے ہوئے ہیں۔ اور اسکی وجہ ان کی تربیت ہے۔ لنڈن میں ایک اخبار والے سے میرا انٹرویو ہوا۔ اس نے پوچھا۔ کیا آپ یہاں کے لوگوں سے کچھ سیکھنے کی ضرورت سمجھتے ہیں۔ میں نے کہا۔ کچھ آپ سے ہمیں سیکھنے کی ضرورت ہے اور کچھ تمہیں ہم سے سیکھنے کی ضرورت ہے۔ رُوحانیت کے اصول تمہیں ہم سے سیکھنے چاہئیں۔ اور ہم نے تربیت کے اصول تم سے سیکھنے ہیں۔ اس نے یہ گفتگو ایک مشہور اخبار سٹار میں شائع کر دی۔

پس یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ تربیت سے جو اخلاق تعلق رکھتے ہیں وہ روحانیت سے تعلق نہیں رکھتے۔ بہت ممکن ہو کہ ایک شخص بہت مخلص ہو۔ مگر اس

اخلاص میں تربیت کی کمی کی وجہ سے غلطیاں

کرے۔ کل ہی ہجوم میں ایک شخص نے ہجوم کو روکتے ہوئے

بوٹ کے ساتھ میرے پاؤں کی انگلی کچل دی۔ اگر اس کی بجائے ایک سپاہی ہوتا۔ جسے اس کام کی تربیت حاصل ہوتی۔ تو اسے معلوم ہوتا۔ کہ مجھ سے کتنے فاصلے پر اسے کھڑا ہونا چاہیئے تھا۔ اس میں اخلاص تھا۔ اور اخلاص ہی کی وجہ سے وہ یہ کوشش کر رہا تھا۔ کہ ہجوم کے ریلے کو روکے۔ مگر چونکہ تربیت نہ تھی۔ اس لئے جس تکلیف سے مجھے بچانا چاہتا تھا۔ اس کا آپ ہی باعث بن گیا اسی طرح کئی لوگ پیچھے سے میرا کپڑا کھینچ لیتے ہیں یہ ان کا اخلاص ہوتا ہے۔ مگر تربیت نہ ہونے کی وجہ سے تکلیف پہنچ جاتی ہے یا جلسہ کے وقت جب میں ہجوم میں سے گذر رہا ہوتا ہوں۔ تو کئی آدمی چلتے چلتے میرے پاؤں دبانے لگ جاتے ہیں۔ اور اس طرح کئی بار گرنے کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر ان باتوں کو اخلاص سے الگ کر کے دیکھیں۔ تو یہ بد تہذیبی ہوگی۔ مگر یہ تربیت کی کمی کا نتیجہ ہے۔

بات اصل میں یہ ہے۔ کہ

اخلاق فاضلہ

کے دو حصے ہیں۔ ایک حصہ تربیت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور دوسرا روحانیت کے ساتھ۔ اور میرے اس عقیدہ کے رو سے یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ کوئی قوم ایک ہی نسل میں کامل نہیں ہو سکتی۔ سوائے خدا تعالےٰ کی طرف سے آنے والے انسانوں کے۔ پہلی نسل مخلص ہوگی۔ مگر تربیت یافتہ نہ ہوگی۔ وجہ یہ کہ وہ ایسے ہی لوگوں سے لئے جائینگے۔ جن میں اخلاق مفقود ہو گئے ہونگے۔ کیونکہ خدا تعالےٰ ایسے ہی لوگوں میں نبی بھیجتا ہے۔ جو ہر رنگ میں گرے ہوئے ہوتے ہیں۔ تاکہ وہ یہ ثابت کرے۔ کہ اس نے ادنےٰ لوگوں کو اپنے نبی کے ذریعہ اعلیٰ بنا دیا ہے۔ تو

ابتدا میں جماعت کا ہر فرد کامل نہیں ہو سکتا

کیونکہ پہلے حصہ کے لوگ تربیت میں ناقص ہوتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ کوئی قوم دنیا میں اس وقت تک دیرپا اثر قائم نہیں کر سکتی۔ جب تک کہ وہ اپنی آئندہ نسل کی تربیت نہ کرے۔ مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی مد نظر رہنا چاہیئے۔ کہ آئندہ نسل میں روحانیت اور اخلاص بھی قائم رہے۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے۔ کہ تربیت پر ہی ساری توجہ لگا دینے سے اخلاص اور روحانیت مر جاتی ہے۔ اور انسان محض مشین کے طور پر رہ جاتا ہے۔ چنانچہ جرمنوں کے متعلق کہتے ہیں۔ کہ ان پر اتنی پابندیاں عاید کی گئی ہیں۔ کہ ان کے جذبات اور احساسات باطل ہو گئے ہیں۔ تو تربیت میں یہ مشکل پیش آتی ہے۔ کہ اخلاص اور روحانیت کا اگر خاص خیال نہ رکھا جائے۔ تو اسے صدمہ پہنچ جاتا ہے۔ اس لئے تربیت کے ساتھ ساتھ اس کا بھی خیال رکھنا ضروری ہے پس کسی قوم کی تربیت کے لئے یہ ضروری ہے۔ کہ نوجوانوں کے اخلاص کو قائم رکھکر ان کی تربیت کی جائے۔ یعنی یہ نہیں حالت ہو۔ نہ تو ایسی حالت ہو۔ کہ تربیت کے نقص کی وجہ سے وہ اخلاق دکھا ہی نہ سکیں۔ اور نہ تربیت کی خاطر ایسی بالیش ہو کہ آئینہ نماز والی مثل صادق آجائے۔

پس چونکہ

آئندہ نسل کی تربیت

نہایت ضروری ہے۔ اور ایسی تربیت جو اخلاص کے قیام کے ساتھ ساتھ کی جائے۔ اس لئے مجھے طلباء کے معاملہ میں خصوصیت سے دلچسپی ہے۔ اور اب یورپ جاکر تو اور بھی توجہ ہو گئی ہے۔ میں نے وہاں افسوس کے ساتھ دیکھا۔ کہ جو طلباء وہاں جاتے ہیں۔ وہ اتنے کمزور ثابت ہوتے ہیں۔ کہ وہاں کی رو کے مقابلہ میں ان کی مثال ایک پتہ کی سی ہوتی ہے۔ اور جو شخص کسی رو کے ساتھ اس طرح بہ جاتا ہے۔ اس نے دنیا میں کیا کام کرنا ہے۔ عام طور پر وہاں جو طلباء جاتے ہیں۔ ان میں خدا اور رسول کا ادب نہیں پایا جاتا۔ اس وقت میں احمدی طلباء کا ذکر نہیں کر رہا۔ بلکہ عام طلباء کا ذکر رہا ہوں۔ گو بعض باتوں میں احمدی طلباء بھی شامل ہیں۔ وہاں جو مسلمان طلباء جاتے ہیں۔ ان میں اگر کسی وجہ سے دین کا ادب ہے۔ تو وہ صرف سیاست ہے۔ تاکہ ایک دین کے نام پر ان کا جتھہ قائم رہے۔ ورنہ جب

مذہبی مسائل پر گفتگو

ہو۔ تو صاف کہہ دیتے ہیں۔ ہمارا تو خدا پر بھی ایمان نہیں ہے مگر میں نے دیکھا ہے۔ کہ کوئی بھی وجہ نہیں کہ یورپ سے اس قدر متاثر ہوا جائے۔ یورپ جاتے وقت مجھے یہ بھی خیال تھا کہ لوگ کہتے ہیں۔ یہاں کے لوگوں کو تم قائل کر لیتے ہو۔ یورپ میں بڑے بڑے تعلیم یافتہ اور عقلمند لوگ ہیں۔ ان سے بات کرنا کارے دارد والا معاملہ ہے۔ اس وجہ سے میرا خیال تھا۔ کہ دیکھوں۔ وہ کیسے لوگ ہیں۔ وہاں جاکر میں نے ان لوگوں سے ہر قسم کی گفتگو کی۔ سائنس کے جدید انکشافات کے متعلق ان سے گفتگو کی۔ ڈاروِن کے فلسفہ کے متعلق ان سے بات چیت ہوئی۔ جن مسائل پر وہ اعتراض کرتے ہیں۔ ان کے متعلق ان سے مکالمے ہوئے۔ مگر کبھی کسی موقعہ پر مجھے یاد نہیں۔ کہ کوئی ایسی بات کسی نے پیش کی ہو۔ جس کے جواب کے لئے مجھے

نئی تحقیقات کی ضرورت

محسوس ہوئی ہو۔ جب کبھی انگریزوں سے کسی مسئلہ پر گفتگو ہوئی وہ خاموش ہو گئے۔ ایک انگریز ڈاکٹر کو مصباح الدین صاحب ملانے تھے۔ جو کہتا تھا۔ خدا کے ماننے کی کیا ضرورت ہے۔ مگر جب میں نے ضرورت بیان کی۔ تو اس نے تسلیم کیا۔ کہ خدا کو ماننے کی ضرورت ہے۔ وہ انگریز اس لئے چپ نہ ہو جاتے تھے۔ کہ ان سے چپ کرانے کے طریق سے گفتگو کی جاتی تھی۔ گفتگو دو طرح کی جاتی ہے۔ کبھی تو اس طرح کہ جب کوئی شخص بے فائدہ بات کو طول دے رہا ہو۔ اور اس کی غرض محض باتیں کرنا ہو۔ نہ کہ کوئی امر دریافت کرنا۔ تو اسے چپ کرانے کے لئے جواب دیئے جاتے ہیں۔ اور مجھے ہندوستانیوں سے گفتگو کرتے ہوئے افسوس کے ساتھ معلوم ہوا کہ وہ گفتگو محض گفتگو کے لئے کرتے تھے۔ کسی مسئلہ کی تحقیقات کے لئے نہیں۔ مگر انگریزوں میں سے مجھے کوئی ایسا نہیں ملا جس سے مجھے چپ کرانے کے طریق سے گفتگو کرنے کی ضرورت پیش آئی ہو۔ اور سفر یورپ سے مجھے جو

بہت بڑا تجربہ

ہوا ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ اسلام کو ہر ملک میں ہر علم کے لوگوں میں اور ہر طبقہ میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ اور اس کے لئے کسی نئی تحقیقات کی ضرورت نہیں۔ ایک دفعہ بھی تو میرے سامنے کوئی ایسا سوال پیش نہیں ہوا۔ جس کے متعلق مجھے ذرا بھی احساس پیدا ہوا ہو۔ کہ یہ کوئی نئی بات ہے۔ مگر مشکل یہی ہے۔ کہ وہ لوگ تربیت اور روحانیت کو جدا نہیں کر سکتے۔ اور انہوں نے کیا کرنا ہے

مسلمان علماء

بھی اسی غلطی میں پڑے ہوئے ہیں۔ بمبئی میں مولوی ابوالکلام صاحب نے باتوں باتوں میں کہا۔ مجھے سمجھ نہیں آتا عمل کے سوا روحانیت کیا ہے۔ تو علماء کو بھی یہی ٹھوکر لگی ہوئی ہے۔ کہ وہ روحانیت اور تربیت کو ایک ہی سمجھتے ہیں۔ اور وہ اس بات کو نہیں سمجھتے۔ کہ روحانیت بالکل الگ چیز ہے۔ اور تربیت الگ۔ وہ کہتے ہیں۔ مذہب اسی لئے ہوتا ہے۔ کہ دیانتداری سکھائے۔ حسن سلوک سکھائے۔ جرائم سے بچائے۔ اور جن لوگوں میں یہ اخلاق پائے جائیں وہ روحانیت کے حامل سمجھے جاویں۔ پھر جو لوگ اس سے بھی آگے بڑھتے ہیں۔ اور مذہب سے بالکل آزاد ہو گئے ہیں۔ انہوں نے ہر گناہ اور بدی کا فلسفہ ایجاد کر لیا ہے۔ اور ان کا ارتکاب کرنا ان کے نزدیک بُرا نہیں ہے۔ یہ بچوں کی مجلس ہے۔ اس لئے میں ان باتوں کو بیان کرنا نہیں چاہتا۔

مجھے آپ کے ایڈریس سے

خصوصیت کیساتھ خوشی

ہوئی ہے۔ مگر میں اس کے ساتھ ہی اس طرف بھی توجہ دلانا چاہتا ہوں

کہ جب قوم کی آئیندہ ترقی آئندہ نسل پر ہوتی ہے۔ تو تربیت اور روحانیت دونوں پہلوؤں کو مد نظر رکھنا ضروری ہے۔ بعض اخلاق روحانیت نہیں ہوتے۔ یا یوں کہنا چاہیئے۔ کہ بعض اخلاق کی خواہش روحانیت نہیں ہوتی۔ اور جو شخص یہ کوشش جاری رکھتا ہے کہ اعلےٰ اخلاق حاصل کرے۔ اس میں اخلاص اور روحانیت ہوتی ہے۔ مگر وہ ایسا محفوظ نہیں ہوتا۔ کہ اسے کوئی خطرہ نہ ہو وہ خطرہ اور امن کی سرحد پر ہوتا ہے۔ اور قرآن کریم نے رابطوا کہکر سرحدوں کی حفاظت کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اس لئے ایسا آدمی اگر پرواہ نہیں کریگا۔ تو گر جائے گا۔ ایسا آدمی جس کی تربیت مکمل نہ ہو۔ روحانیت حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن جب وہ تربیت کی وجہ سے کسی پر غصہ ہوتا ہے۔ یا کسی سے لڑتا ہے۔ تو گو یہ اس کے لئے مضر نہ ہو۔ مگر جس پر اس کی لڑائی اور غصہ کا اثر پڑتا ہے۔ اس کے لئے ضرور مضر ہوگا۔ آپ لوگوں کو

اخلاق کی درستی

ابھی سے ایسے رنگ میں کرنی چاہیئے۔ کہ آئندہ نتیجہ بُرا نہ ہو۔ اگر کوشش کی جائے۔ تو پہلی نسل اخلاق میں بہت ترقی کر سکتی ہے۔ اور جب اس کے ساتھ اخلاص بھی مل جاوے۔ تو کامیابیاں بہت بڑھ جاتی ہیں۔ میرے نزدیک اگر تین چار نسلوں کو اعلےٰ اخلاق سکھا دیئے جائیں۔ اور ان میں روحانیت کو بھی قائم رکھا جاوے۔ تو اس پیشگوئی کو نہایت آسانی کے ساتھ پورا کیا جا سکتا ہے۔ جو حضرت مسیح موعودؑ کے زمانہ میں شیطان کے کچلے جانے کے متعلق ہے۔ اس وقت تک جو کمی ہے۔ وہ یہی ہے۔ کہ اخلاق اور روحانیت کو ایک ہی سمجھ لیا گیا ہے۔ حالانکہ اخلاق تربیت کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ اور تربیت سیکھنے سے آتی ہے۔ یہ بات میں نے کئی بار بتائی ہے۔ کہ میرے

لڑکپن کے زمانہ میں

ہمارا مکان بن رہا تھا۔ میں نے ترکھان کو تیشہ سے کام کرتے دیکھکر اسے ایک معمولی کام سمجھا۔ اور جب وہ ادھر ادھر ہوا۔ تو میں نے تیشہ اٹھا کر لکڑی پر مارا جو پہلی دفعہ ہی مارنے سے میرے ہاتھ پر جا لگا۔ جس کا اب تک نشان موجود ہے۔ میں نے سمجھا تھا۔ جب لکڑی سامنے ہے۔ تیشہ ہاتھ میں ہے۔ اور آنکھیں کھلی ہیں۔ تو پھر تیشہ کس طرح لگ سکتا ہے۔ مگر تربیت کے نہ ہونے کی وجہ سے ہاتھ پر لگ گیا۔ تو اکثر اوقات ایک انسان خواہش کرتا ہے۔ کہ میں کوئی کام کروں یا کسی کو آرام پہنچاؤں۔ مگر تربیت نہ ہونے کی وجہ سے ایسا نہیں کر سکتا۔ اس کی مثال ایسی ہی ہوتی ہے۔ جیسے ایک رعشہ کی بیماری والا ہو۔ کون چاہتا ہے۔ کہ وہ گرے۔ لیکن جسے رعشہ ہو۔ وہ گر پڑتا ہے۔ میں اس ایڈریس کے جواب میں اس طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ کہ چونکہ

جماعت کی ترقی کا انحصار نوجوانوں کی تربیت پر

ہے۔ اس لئے آپ لوگ اپنے لئے اور ہمارے لئے اپنی روحانیت کے لئے۔ اور ہماری روحانیت کے لئے اور تمدن کے لئے مدد کریں اور اگر ایسا ہو جائے۔ تو بہت جلدی ترقی ہو سکتی ہے۔ اور کوئی بھی مشکل نہیں ہے۔ جو ہماری ترقی کو روک سکے۔ یا ہمیں ہراساں کر سکے۔ جب بھی کبھی کوئی

مشکل وقت

مجھ پر آیا ہے۔ اسی وقت میں نے اپنے اندر بہت زیادہ قوت پائی ہے۔ باوجود اس بیماری کے جو اس سفر میں ہوئی۔ یعنی آٹھ آٹھ دفعہ پاخانہ کے لئے جانا پڑتا تھا۔ اور بعض دفعہ تو پاجامہ میں ہی نکل جاتا تھا۔ مگر چونکہ کام تھا۔ اس لئے میں نے اس بیماری کی کوئی پرواہ نہ کی۔ اور برابر کام میں لگا رہا۔ لیکن بیروت اور شام کے درمیان دوران سفر میں ایک دن کام نہ تھا۔ تو اسی حالت ہوئی کہ میرے

ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو گئے

اور غشی تک نوبت پہنچ گئی۔ یہی بات ہندوستان میں ہے۔ میں نے دیکھا ہے۔ کہ جتنا کبھی کام بڑھا ہے۔ اتنی ہی زیادہ خدا تعالیٰ نے طاقت دیدی ہے۔ پس مشکلات کوئی چیز نہیں۔ اگر خدا تعالیٰ پر بھروسہ اور یقین ہو۔ تو مشکلات کمزور نہیں کرتیں۔ بلکہ طاقتور بناتی ہیں۔ میں کبھی مشکلات سے نہیں گھبراتا۔ نہ مجھے یہ خوف ہے کہ آپ لوگوں کو ان کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اگر ڈر ہے۔ تو یہی کہ تربیت اخلاص کو نہ لے جائے۔ اگر تم لوگ تربیت میں مکمل ہو جاؤ۔ تو اخلاص میں کمی نہ آجائے۔ اور جب یہ دونوں باتیں حاصل ہو جائینگی۔ تو

یورپ کا فتح کرنا

کچھ بھی مشکل نہیں ہوگا۔ میرا خیال ہے۔ کہ یورپ کے ایک عام آدمی کی سمجھ ہندوستان کے ایک عام آدمی کی نسبت کم ہے اور یورپ کے ایک لکھے پڑھے آدمی کی سمجھ ہندوستان کے ایک لکھے پڑھے آدمی سے کم ہے۔ لیکن عام تجربہ اور تربیت کے لحاظ سے وہاں کے لوگ بہت بڑھے ہوئے ہیں

یہاں کے لوگوں میں نقص

ہے۔ کہ ایک بات سن کر سمجھ لیتے ہیں۔ اس کا کرنا نہایت آسان ہے۔ ایک ایسا شخص جس نے جنگ کے متعلق کوئی بھی کتاب نہ پڑھی ہو۔ لڑائی کے متعلق گفتگو اس طرح کرے گا۔ کہ گویا دس سال کا کمانڈر انچیف رہا ہے۔ مگر وہ لوگ اس طرح نہیں کرتے وہ ایک بات کو لے کر اس میں لگے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس کی تہ تک پہنچ جاتے ہیں۔ اور جس طرح یاجوج ماجوج کے متعلق قصہ مشہور ہے۔ کہ وہ دیوار کو اپنی زبان سے چاٹتے رہتے ہیں۔

وہ بات ان پر صادق آتی ہے۔ کہ ایک بات کو لے کر اس کی تحقیقات شروع کر دیتے ہیں۔ اور جس طرح زبان کے ساتھ چاٹنے سے ایک چیز کے نہایت باریک ذرے کم ہوتے ہیں۔ لیکن اگر لگاتار یہ فعل جاری رہے۔ تو ایک دفعہ چاقو مار کر چلا جانے والے سے زیادہ حصہ اترے گا۔ یہی ان لوگوں کی حالت ہے۔ میرے نزدیک وہ لوگ اتنے عقلمند نہیں ہیں جتنے مستقل مزاج اور استقلال سے کام کرنے والے ہیں۔ اس صفت کی وجہ سے وہ تو جس کام کو شروع کرتے ہیں۔ اس میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ اور جو ان سے زیادہ ہوشیار اور عقلمند ہیں۔ وہ استقلال نہ ہونے کی وجہ سے ناکام ہو جاتے ہیں۔ ہمارے ملک کے لوگ بھی اگر اسی طرح استقلال سے کام کرتے جائیں۔ تو یورپ کے لوگ بہت خوشی سے زانوئے ادب ان کے آگے تہ کریں۔ کیونکہ ان میں یہ خواہش پائی جاتی ہے کہ کوئی نئی بات جہاں سے ملے حاصل کی جائے۔ چونکہ وہ لوگ ایجادوں کی وجہ سے

نئی باتیں سیکھنے کے عادی

ہو چکے ہیں۔ اور علم حاصل کرنے کے شوقین ہیں۔ اس لئے جب وہ کوئی نئی بات سنتے ہیں۔ تو ان کے چہروں سے بشاشت اور آنکھوں سے مسرت ٹپکتی ہے۔ پس ہمارے نوجوان اگر روحانیت کے ساتھ تربیت بھی حاصل کر لیں۔ تو ان کے لئے

دنیا کو فتح کرنا

نہایت آسان ہے۔ پس یورپ سے آپ لوگوں کے لئے جو کچھ میں نے سیکھا ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ آپ لوگ اپنے نفس کی اور ہماری مدد کریں۔ اور اعلیٰ اخلاق سیکھیں۔ اگر ایسا ہو جائے۔ تو میں امید کرتا ہوں۔ کہ احسن طریق سے دنیا میں اسلام کو قائم کیا جا سکتا ہے میں نے ان لوگوں کو جتنا بھی کریدا ہے۔ میرا دل یقین سے بھر گیا ہے۔ اور میں نے انگلستان کے لوگوں سے کہا ہے۔ کہ میں تمہیں خوش کرنے کے لئے نہیں کہتا۔ بلکہ حقیقت کا اظہار کرتا ہوں۔ کہ

تمہاری روحانیت مری نہیں

بلکہ دبی ہوئی ہے۔ میں نے دیکھا ہے۔ جب بھی انہیں مذہب کے متعلق کوئی ایسی بات بتائی گئی۔ جو ان کے لئے نئی تھی۔ تو ان کی آنکھوں میں وہ چمک اور چہرہ پر وہ بشاشت نظر آئی۔ جو کسی پیاسے کو پانی کے ملنے پر ہوتی ہے۔ اور خدا کے فضل سے وہاں کامیابی کی بنیاد رکھ دی گئی ہے۔ ایک عورت نئی احمدی ہوئی ہے۔ جو بہت ہی جوشیلی ہے۔ اور کل ہی اس کی طرف سے تبلیغی رپورٹ مجھے پہنچی ہے۔ اس نے لکھا ہے۔ کہ وہ ہمیشہ اپنی تبلیغی رپورٹ بھیجتی رہے گی۔ تو ان لوگوں میں حق کو قبول کرنیکا

مادہ ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے۔ کہ ان کے سامنے حق رکھا جائے۔ وہاں کئی لوگوں سے

لباس کے متعلق ذکر

آیا۔ تو انہوں نے کہا۔ کہ ہم اس لئے ہندوستانیوں کو ذلیل سمجھتے ہیں۔ کہ وہ ہماری نقل کرتے ہیں۔ پہلے ہم ہندوستانیوں کو ایسا نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ پرانے لوگوں کی عزت کی جاتی تھی۔ لیکن اب ان کے نقل کرنے کی وجہ سے ان کا ادب اور احترام ہمارے دلوں سے جاتا رہا ہے۔ اور یہ بالکل صحیح بات ہے۔ اگر یہاں کے لوگ اس وثوق اور یقین کے ساتھ وہاں جائیں۔ کہ ہمیں ان پر یہ ثابت کرنا ہے۔ کہ تمہارے غلام نہیں ہیں۔ اور بعض باتیں جو جائز بھی ہوں۔ ان میں بھی ان کی نقل نہ اتاریں۔ مثلاً پتلون پہننا ناجائز نہیں ہے۔ مگر قومی وقار کے خلاف ہے۔ اس لئے نہ پہنیں۔ تو اس کا ان پر بہت اثر ہو۔ کئی انگریزوں نے مجھ سے اس کے متعلق سوال کیا۔ کہ کیا پتلون پہننا آپ کے نزدیک جائز ہے۔ اس کے جواب میں میں نے بتایا۔ اسلام کے رو سے منع نہیں ہے۔ لیکن جب تم لوگ ہندوستان میں جا کر شلوار پہنو گے۔ اسوقت ہم بھی یہاں آکر پتلون پہن لیں گے۔ ورنہ نہیں۔ گرمی میں موٹا کپڑا پہننا مشکل ہے۔ بہ نسبت سردی میں باریک کپڑا پہننے کے۔ کیونکہ انسانی جسم میں گرمی کی برداشت کی اتنی طاقت نہیں ہے۔ جتنی سردی کی برداشت کی۔ مگر وہ لوگ یہاں آکر گرمی کے موسم میں بھی اپنے ہی کپڑے پہنتے ہیں جو موٹے ہوتے ہیں۔

دوسری بات جو میں اپنی جماعت کے نوجوانوں کے متعلق کہنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ ہے۔ کہ دنیوی معاملات کی طرف جو توجہ کی جائے۔ وہ صحیح طریق سے ہونی چاہیئے۔ میں بہت غور کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں۔ کہ

ہمارے نوجوانوں کو انڈسٹری کی طرف بہت توجہ کرنی چاہیئے

تجارت ہندوؤں کے ہاتھ میں ہے۔ اور زراعت بھی ہندوؤں ہی کے ہاتھ میں ہے۔ یہ بات وہ سب لوگ جانتے ہیں۔ جو سمجھتے ہیں۔ کہ پنجاب کے علاوہ ہندوستان میں اور بھی علاقے ہیں۔ پنجاب کے مسلمان کہتے ہیں۔ زراعت کہاں بنیوں کے پاس ہے۔ مگر سرگودہا اور لائل پور کے علاوہ اور بھی علاقے ہیں۔ جہاں زراعت ہندوؤں کے ہاتھ میں ہے۔ ہندوستان میں ہندوؤں کی تعداد مسلمانوں کی نسبت تین گنا ہے۔ مگر ان کے پاس مسلمانوں کی نسبت دس گنا زیادہ زمین ہے۔ ہندوستان کی انڈسٹری مسلمانوں کے ہاتھ میں تھی مثلاً شال۔ ہاتھی دانت کا کام۔ بنارسی دوپٹے۔ چمڑے وغیرہ کا کام۔ اگرچہ اب ہندوؤں نے اس طرف بھی توجہ کی ہے۔ مگر وہ اس کام میں نئے نئے داخل ہو رہے ہیں۔ مسلمان اب بھی ان سے سبقت لے جا سکتے ہیں۔ پھر

نئی قسم کی صنعت

کی طرف توجہ کرنی چاہیئے۔ مگر ہمارے ملک کے لوگوں میں یہ عیب ہے۔ کہ وہ ابتدائی مشکلات سے گھبرا جاتے ہیں۔ حالانکہ آخری کامیابی ابتدائی مشکلات کے بعد ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ اور وہ عام طور پر ملازمتوں کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ دوسرے لوگوں نے تو کچھ کرنا نہیں

ہماری جماعت کے نوجوانوں کیلئے

صنعت و حرفت کا میدان کھلا ہے۔ بنگال میں پانچ سال سے یہ تحریک شروع ہوئی ہے۔ مگر انگریزوں کو اعتراف کرنا پڑا ہے کہ تھوڑے تھوڑے سرمایہ سے کام شروع کرنے والوں نے یورپ کو نقصان پہنچا دیا ہے۔ مثلاً صابن سازی کا کام شروع کیا گیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے۔ کہ جرمن آسٹرین اور جاپانی کارخانوں والے مکھیاں مار رہے ہیں۔ اسی طرح ہندوستان میں سالانہ سیاہی کئی کروڑ روپیہ کی صرف ہوتی ہے اس کے متعلق بھی بنگال میں کوشش شروع کی گئی ہے۔ اسی طرح ٹین لاکھوں روپیہ کا ولایت سے آتا ہے۔ اب بہت سا بنگال میں تیار ہونے لگا ہے۔ نب کثرت سے یورپ سے آتے تھے۔ اب ہندوستان میں بننے لگے ہیں۔ دیاسلائی بنانے میں اگرچہ کامیابی نہیں ہوئی۔ مگر کارخانے جاری ہو گئے ہیں۔ یہ وہ کام ہیں۔ جو سو روپیہ سے لے کر ہزار روپیہ تک کے سرمایہ سے شروع کئے جا سکتے ہیں۔ اور ان کاموں میں اتنا نفع ہو سکتا ہے۔ کہ تھوڑی سی تکلیف کے بعد زیادہ آرام مل سکتا ہے

اگر ہمارے نوجوان اپنے آپ کو ایسے کاموں میں لگائیں تو گو شروع میں انہیں تکلیف ہوگی۔ مگر آخر میں اپنے لئے اور جماعت کے لئے مفید ثابت ہونگے۔ اور ایسا رستہ نکل سکتا ہے۔ کہ ہماری جماعت کے لوگ دوسروں کے مظالم اور زیادتیوں سے بچ سکتے ہیں۔ کیونکہ جب کوئی حب قومی رکھنے والا صنعت حرفت کے کسی کارخانہ کا مالک ہوگا۔ تو وہ قومی لوگوں کو فائدہ بھی پہنچائے گا۔ اور جب یہاں کارخانے جاری ہو جانے کی وجہ سے باہر سے مال آنا بند ہو جائیگا۔ تو مسلمانوں کی تجارت اپنے ہاتھ میں لے سکتے ہیں۔ مگر یہ کام ہو سکتا ہے تعلیم یافتہ لوگوں کے ذریعہ۔ جو نئے علوم سے اور دنیا کے حالات سے واقف ہوں۔ اور معلوم کرتے رہیں۔ کہ اور لوگ کیا کر رہے ہیں۔ اس طرح جماعت کو بھی بہت مدد مل سکتی ہے۔ اور تبلیغ میں بھی فوائد حاصل ہو سکتے ہیں۔

پس یہ

ضروری امر

ہے۔ جس کی طرف کالجوں کے طلباء کو تیز سکول کے طلباء کو بھی کہ وہ بھی اس وقت موجود ہیں متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔ انٹرنس تک کی تعلیم حاصل کردہ بھی اگر ہوشیار ہو۔ تو کام چلا سکتا ہے۔ ہندوؤں اور سکھوں میں تو بی۔ اے پاس بھی چھوٹی چھوٹی دوکانیں شروع کر دیتے ہیں۔ مگر مسلمانوں میں یہ بات نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں۔ کہ ہماری جماعت کے نوجوان اس طرف توجہ کریں بہ نسبت اس کے کہ گورنمنٹ کی ملازمت تلاش کرتے پھریں۔ گورنمنٹ کی بڑی سے بڑی ملازمت گورنمنٹ کے بدلنے پر ہیچ ہو جاتی ہے۔ مگر ایک ڈاکٹر ڈاکٹر ہی رہے گا۔ خواہ کوئی گورنمنٹ ہو۔ اسی طرح صناع ہر جگہ کام کر سکتا ہے۔ اور اس قسم کے علوم تبلیغ کے لئے بھی بہت مفید ہو سکتے ہیں۔ ایک کلرک باہر جا کر کام نہیں کر سکتا۔ مگر ایک درزی جہاں جائے کام کر سکتا ہے۔ پس ہمارے نوجوانوں کو صنعت و حرفت کی طرف خصوصیت سے توجہ کرنی چاہیئے۔ یہ ایسا میدان ہے۔ جو دینی اور دنیوی لحاظ سے ان کے لئے مفید ثابت ہو سکتا ہے۔

آخر میں

اپنی جماعت کے بچوں کے لئے دعا

کرتا ہوں۔ کہ خدا تعالیٰ ان کے اخلاص اور روحانیت میں ترقی دے۔ انہیں اپنے ارادوں کو پورا کرنے کی توفیق دے۔ ان کے لئے سامان پیدا کرے۔ ان پر اپنے برکات نازل کرے۔ اس دنیا میں بھی اور آئیندہ بھی ؛

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا ورود آگرہ میں

۱۲ر نومبر بوقت ۸ بجے شام حضرت خلیفۃ المسیح ثانی معہ خدام آگرہ فورٹ پر گاڑی سے اترے۔ جہاں سلسلہ احمدیہ کے قریباً ایک سو قائمقاموں نے جو یوپی کے مختلف مقامات سے جمع ہوئے تھے مع چند روساء و قریباً چالیس غیر احمدی پنجابی تاجروں کے استقبال کیا۔ حضور کے گلے میں پھولوں کے ہار ڈالے گئے۔ حضور نے سب لوگوں کو مصافحہ سے مشرف کیا۔ پھر مع خدام احمدیہ دار التبلیغ میں تشریف لائے۔ آتے ہی حضور نے نمازیں ادا کیں۔ اور علاقہ مین پوری کے چند مہمانوں کی بیعت لی۔ پھر کھانا تناول فرمایا۔ اور مجاہدین و جماعت احمدیہ آگرہ کی طرف سے مولوی غلام احمد صاحب مولوی فاضل نے ایڈریس پیش کیا۔ جسکے جواب میں حضور نے اپنی کامیابی کو محض فضل الٰہی سے ثابت کرتے ہوئے جماعت کو آئیندہ ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہونے کی تلقین فرمائی اور مزید قربانیوں کیلئے تیار ہونے کا حکم دیا۔ اگلی صبح حضور کا مع خدام فوٹو لیا گیا۔ اور موٹر پر تاج محل کو دیکھتے ہوئے موضع سانڈھن تشریف لے گئے۔ (نامہ نگار)

اشتہارات

ضرورت رشتہ

ایک نوجوان لڑکی عمر پندرہ سال تعلیم یافتہ قوم ککے زئی کے لئے رشتہ کی تلاش ہے۔ لڑکا ۲۰ سے ۳۰ سال تک کی عمر کا احمدی متقی تعلیم یافتہ برسرروزگار یا طالب علم ہو۔ ککے زئی پٹھان۔ شیخ۔ سید۔ مغل۔ راجپوت لڑکے کو علی الترتیب ترجیح دیجاوے گی اور اس پر بھی ضلع ہوشیارپور اور اس کے ملحقہ اضلاع کے باشندوں کو علی الترتیب منتخب کیا جاوے گا۔

خط و کتابت ناظر امور عامہ جماعت احمدیہ قادیان سے ہو

ضرورت ہے

نو ایجاد مشین سیویاں کے ایسے خریداروں کی جو بعد استعمال مشین سارٹیفکیٹ ارسال فرما کر مشکور فرماویں۔ قیمت مشین معہ دراز چھلنی ۱۲۰ پالش شدہ ۔۔۔۔

مینجر کارخانہ مشین سیویاں قادیان (پنجاب)

اکسیر تسہیل ولادت

کا اشتہار کئی بار الفضل میں شائع ہوا۔ دوستوں نے منگوایا استعمال کیا۔ بے حد مفید پایا۔ چونکہ الفضل کے فائل محفوظ رکھے جاتے ہیں اس لئے کچھ عرصہ کے لئے اشتہار بند کر دیا گیا۔ مگر پھر بھی آج تک دوست منگواتے ہیں۔ اس لئے اگر اشتہار نہ بھی نکلے۔ تو دوست منگوا سکتے ہیں۔ اس بات کو نوٹ کریں۔ یہ ولادت کے موقعہ پر سچی عمخوار چیز ہے۔ قیمت فی شیشی صرف دو روپے۔ معہ محصول ڈاک ؛

مینجر شفاخانہ دلپذیر سلانوالی (لائن سرگودہا)

قادیان میں مکان بنانیکے خواہشمند احباب

قادیان کی پرانی آبادی اور نئی آبادی میں سکنی اراضی خریدنے کے لئے خاکسار سے خط و کتابت فرماویں۔ محلہ دارالرحمت کے نقشہ میں بھی چند کنال اراضی کی زیادتی کی گئی ہے۔ لہٰذا جو احباب اس محلہ میں زمین حاصل کرنے کی خواہش رکھتے ہوں ان کے لئے موقعہ ہے۔ نور ہسپتال کے سامنے بھی کچھ اراضی قابل فروخت ہے۔ فقط والسلام

خاکسار میرزا بشیر احمد امیر قادیان

نارتھ ویسٹرن ریلوے نوٹس

پبلک کو اطلاع دیجاتی ہے۔ کہ نمبر ۸۵ اپ اور ۸۶ ڈاؤن بمبئی۔ پنجاب میل گاڑیاں (براستہ جی۔ آئی۔ پی ریلوے) جو کہ فی الحال دہلی اور انبالہ چھاؤنی کے درمیان ڈی۔ یو۔ کے ریلوے کے راستہ پر بوجہ دہلی اور غازی آباد سیکشن پر لائن کے ٹوٹنے کے تبدیل کی گئی ہوئی ہے۔ مورخہ یکم دسمبر سے آئندہ انبالہ۔ سہارنپور۔ میرٹھ اور غازی آباد کے راستہ سے چلا کرے گی ؛

نمبر ۸۶ ڈاؤن میل جو کہ لاہور سے ۳۰ نومبر ۱۹۲۴ء کی رات کو چلے گی۔ پہلی گاڑی ہو گی۔ جو کہ اپنے اصلی راستہ سے (ابتدائی) چلیگی ؛

نمبر ۵۹ اپ ۔ ۵۸ ڈاؤن ۔ ۱۷ اپ اور ۱۸ ڈاؤن مسافر گاڑیاں جو کہ اس وقت غازی آباد تک ۔۔۔ چلتی ہیں۔ مذکورہ بالا تاریخ سے دہلی تک چلا کریں گی ؛

باقیماندہ نارتھ ویسٹرن ریلوے کی مسافر گاڑیاں مثلاً ۱۹ اپ ۔ ۱۲۵ اپ ۔ ۲۰ ڈاؤن اور ۲۶ ڈاؤن غازی آباد تک چلتی رہیں گی۔ اس وقت تک کہ آئندہ اطلاع دی جاوے جب تک کہ مزید تبدیلی کا نوٹس شائع نہ ہو

پہلی اپ اور دوسری ڈاؤن کلکتہ میل گاڑیاں مغل سرائے اور پشاور کے درمیان سیدھی۔ یکم دسمبر ۱۹۲۴ء سے ہی باقاعدہ چلنی شروع ہونگی۔ نمبر ۱ اپ میل ۳۰ نومبر ۱۹۲۴ء کو مغل سرائے سے چل کر سیدھی پشاور جائے گی اور نمبر ۲ ڈاؤن میل ۲۹ نومبر کو پشاور سے مغل سرائے تک سیدھی چلیگی اور اسی طرح سے آئندہ عمل ہو گا

اور اسی تاریخ سے بوگی کمپوزٹ (پہلے اور دوسرے درجہ) کی گاڑیاں پشاور چھاؤنی اور لکھنؤ کے درمیان مندرجہ ذیل اوقات پر چلتی ہیں۔ آئندہ کے لئے بند کر دی گئی ہیں۔

پہلا دن	۱۰-۵۵	ڈی پشاور چھاؤنی	اے ۷-۵۰-۱۸	تیسرے دن
دوسرا دن	۷-۳۰	اے لاہور	ڈی ۲۲-۲۵	دوسرے دن
" "	۸-۳۰	ڈی "	اے ۲۱-۵۰	" "
" "	۱۹-۴۵	اے سہارنپور	ڈی ۱۰-۳۱	" "
" "	۲۰-۱۵	ڈی "	اے ۱۰-۶	" "
تیسرا دن	۹-۲۰	اے لکھنؤ	ڈی ۱۵-۵۵	پہلے دن

بعدالت جناب اے۔ ایل۔ گارڈن واکر صاحب آئی۔ ای۔ ایس۔ بیرسٹر ایٹ لا۔ ڈسٹرکٹ جج انچارج لکویڈیشن ورک لاہور

بمعاملہ انڈین کمپنی ایکٹ ہمشہ ۱۹۲۲ء اور سٹینڈرڈ بنک آف انڈیا لمیٹڈ (ان لکویڈیشن) میکلیگن روڈ ۔ لاہور مندرجہ بالا کمپنی کے قرضخواں کو چاہیئے۔ کہ وہ ۱۰ جنوری ۱۹۲۵ء کو یا اس سے قبل اپنے نام اور پتے۔ بمعہ اپنے قرضوں اور مطالبات کے متعلق ضروری تفصیلات اور اگر ان کے کوئی وکیل ہوں۔ تو ان کے نام اور پتے لالہ مدن گوپال ایم۔ اے۔ وکیل ہائی کورٹ لاہور۔ آفیشل لکویڈیٹر آف کمپنی مذکورہ کے نام بھیج دیں۔ اور اگر آفیشل لکویڈیٹر موصوف کی طرف سے انکو کوئی تحریری نوٹس پہنچے۔ تو وہ اپنے وکلاء اور پلیڈروں کو ساتھ لے کر تاریخ مقررہ (در نوٹس مذکور) کو لاہور کی ڈسٹرکٹ کچہری میں حاضر ہو جائیں۔ اور اپنے قرضوں اور مطالبات کو ثابت کریں۔ ورنہ خلاف ورزی کرنیوالوں کو اپنے قرضوں کے ثبوت سے پہلے اگر کوئی تقسیم ہوئی۔ تو اس کے فوائد سے محروم رہنا پڑے گا۔ صاحب ڈسٹرکٹ جج کی کچہری لاہور میں اپنے قرضوں اور مطالبات کے ثبوت کیلئے سماعت اور فیصلے کے لئے ۱۷ جنوری ۱۹۲۵ء کو ۱۰ بجے کا وقت دیا جائے گا ؛ مورخہ ۲۷ نومبر ۱۹۲۴ء

دستخط۔ اے۔ ایل۔ گارڈن واکر۔ ڈسٹرکٹ جج۔
انچارج لکویڈیشن ورک۔ لاہور

لوگ موتیوں کے سرمہ کے گرویدہ ہیں

اس لئے کہ یہ ضعف بصر۔ ککرے۔ خارش چشم۔ جلن۔ پھولا۔ جالا پانی بہنا۔ دھند۔ غبار۔ پڑبال۔ ابتدائے موتیا بند۔ غرضیکہ آنکھوں کی جملہ بیماریوں کے لئے اکسیر ہے۔ اس کا استعمال آنکھوں کو عینک سے نجات دلانے کے علاوہ آئندہ بیماری سے محفوظ رکھتا ہے۔ قیمت فی تولہ عہ۔ محصولڈاک علاوہ۔ پانچ تولے کے خریدار کو محصولڈاک معاف۔ لاکھ شہادتوں کی شہادت ملاحظہ ہو جنرل سیکرٹری صدر انجمن احمدیہ قادیان۔ جناب علامہ حضرت ڈاکٹر مفتی محمد صادق صاحب مبلغ بلاد یورپ و جنرل سیکرٹری صدر انجمن احمدیہ فرماتے ہیں۔ کہ موتیوں کا سرمہ میں نے گھروں کیواسطے استعمال کیا اور بہت مفید پایا۔

ملنے کا پتہ حسب ذیل

مینجر کارخانہ موتیوں کا سرمہ نور بلڈنگ قادیان ضلع گورداسپور

(... ایڈیٹر ... باہتمام عبدالرحمٰن کشمیری ... قادیان میں چھپ کر شائع ہوا)